

مجاہد جلیل مولانا شاہ اسماعیل شہید

شہداء بالاکوٹ کا اصلی مقابلہ انگریزوں سے تھا۔

گزشتہ سہ پیرستہ

اس کے بعد دوسرے مسئلہ کو لیں یعنی شہداء بالاکوٹ کے مد مقابل کون تھے، سکھ یا انگریز؟
 جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ کی جوڑائیاں وقوع
 پذیر ہوئیں ان میں مد مقابل سکھ ہی تھے اور سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے ہی آپ شہید ہوئے لیکن
 کیا آپ کا منتہائے مقصود سکھوں سے ہی نبرد آزما ہونا تھا یا کہ کچھ اور؟
 سطحی فہم کے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ منتہائے مقصود یہی کچھ تھا اور بس۔ چنانچہ اس سلسلہ میں
 بعض روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، لیکن یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ باید و شاید اور تاریخ سے صریح ناواقف
 کی کھلی دلیل! ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرات مجاہدین کا مقصد اصلی ہندوستان کو پھر سے دارالاسلام
 بنانا تھا جو آپ کے شیخ سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتویٰ کے پیش نظر دارالحرب
 بن چکا تھا، ہند کو دارالاسلام بنانے کیلئے سکھوں سے زیادہ انگریزوں سے دو دو ہاتھ ہونے کی ضرورت
 تھی۔ لیکن دست قضاء و قدر نے یہ موقع ہی مہیا نہ کیا اور آپ اپنے پروگرام کی تکمیل سے پہلے ہی
 بالاکوٹ کی سرزمین کو لالہ زار بنا کر رفیقِ اعلیٰ سے ملے اگر موقع ملتا اور بداندیش و خیر فروش سرداران
 قوم کی بد عہدی و غداری سے دوچار نہ ہوتا پڑتا تو آج ہند کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس کے باوجود مالوس ہونے کی کوئی بات نہیں بالاکوٹ کی بلندیوں سے شہداء کی پکار پر اگر ہم آج

بھی کان دھریں اور اس آواز کو کام میں لاکر ان کی طرح سرِ پا عمل بن جائیں تو نقشہٴ عالم وہی ہو سکتا ہے۔
 شہداء کی آواز کیا ہے؟ یہی تو کہ۔۔۔ زندگی کے پست اور تنگ نظریے کو خیر باد کہو،
 قوتِ اقتدار اور ترقی میں ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی بلند ہو جاؤ، کیا کبھی کسی نے اس آواز پر کان دھرا
 اور اس وجد آفرین نغمہ کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دی۔؟ نہیں ہرگز نہیں۔
 شاعرانِ فرنگ کی تعلیم نے ہمارے دل و دماغ کو ایسا بدلا کہ ہم این و آن کے چکر میں پڑ
 کر رہ گئے۔ اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا، خود مغلوب ہو کر بیٹھ گئے اور نکتہ چینی ہمارا شیوہ بن گیا۔ بالاکوٹ
 کے مدفونوں سے نکتہ چینی حضرات کو آج بھی پکار کر کہا جا رہا ہے۔

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کرہ کن بازی اگر چہ لے نہ سکا سر تو دے سکا
 کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
 اے کاش! ہم اس آواز کو سنتے اور سعی و عمل میں لگ جاتے تو ہمارے بلند ہمت اسلاف
 جو راستہ متعین کر گئے تھے، اس پر چل کر کبھی کی منزل پا لیتے۔ لیکن طاؤس و رباب کی رسیا قوم
 نے ڈانٹنگ روموں میں بیٹھ کر نکتہ چینی کا فن تو سیکھ لیا، ہر عمل سے عاری ہو گئی، فیا للعجب۔
 بہر حال آئیں تاریخ کے بھر دو کوں سے مستند شہادتیں سنیں اور پھر فیصلہ کریں کہ مجاہدینِ اسلام
 کا مد مقابل کون تھا، سکھ یا انگریز۔؟ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے، اس سے انکار ناممکن ہے
 کہ تحریک کی ابتدائی کڑی حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محدث الدہلوی دلی اللہ تھے۔ حضرت
 شاہ صاحب ہی وہ پہلے صاحبِ بصیرت انسان ہیں جنہوں نے وطنِ عزیز کے حالات کا بغور
 مطالعہ کیا اور اصلاحِ احوال کیلئے صحیح صورت کی نشاندہی کی وہ صحیح صورت کیا تھی۔؟ یہی کہ
 نیک کل نظام! یعنی سیاسی و سماجی زندگی کے ہر ایک شعبہ میں انقلاب!

آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ ۲۱/ ذی قعدہ ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۲/ شب جمعہ آپ نے خیر
 کی یہ آواز سنی کہ ملک و ملت کی نلاج اسی میں مضمر ہے کہ دورِ حاضر کے تمام نظاموں کی دھجیاں بکھیر دی
 جائیں اور ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کیا جائے۔ چنانچہ مفرِ مقدس سے واپسی پر آپ نے نصب العین
 ہی پہی سامنے رکھا کہ نیک کل نظام! (فیوض الحرمین اور شاہ دلی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۲۶)

اپنے نصب العین کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے آپ نے پہلا قدم تعلیم و تربیت کا اٹھایا،
 اس کے لئے دہلی، رائے بریلی، تکیہ شاہ علم اللہ (جو سید احمد کے بزرگ تھے) مدرسہ نجیب آباد
 اور مدرسہ ملا معین ٹھٹھہ (سندھ) اور لکھنؤ مراکز مقرر کئے مختلف مقامات پر مختلف حضرات

ان تربیت گاہوں میں متین ہوئے جن کا کام نظریات حکیم الامت کا پرچار اور اس کے مناسب تعلیم و تربیت تھی، افسوس یہ ہے کہ نشر و اشاعت کی مشکلات اور پریس کی طاقت سے عرومی کے سبب حضرت کے نظریات کا جس طرح پرچار ہونا چاہئے تھا نہ ہو سکا، ورنہ مارکس اور لینن کی طرح عالم اسباب میں آپ کو بھی وسائل میسر آجاتے تو آج نقشہ عالم کچھ اور ہوتا۔ پھر طوائف الملوک اور قیامت خیز ہنگاموں (جن میں مرٹوں کی دلی پرلیخار، نادر شاہ کا قتل عام، دلی کی جے پناہ بوٹ اور ابدال جنگ پانی پت شامل ہیں) کے سبب آپ کو فرصت نہ ملی کہ آپ اپنے انقلابی منشور (مینی فسٹر) کو یکجا مدون اور مرتب کر سکیں اس کے باوجود آپ نے اپنے انقلابی نظریات کو کبھی ترجمہ قرآن کریم کے رنگ میں کبھی تصوف اور فلسفہ اسلامی کے ضمن میں (حجۃ اللہ البالغہ بدور باغہ فیوض الحرمین) کبھی نصیحت و موعظمت کے پیرایہ میں (تفہیمات الہیہ) اور کبھی تاریخ اسلام اور خصائل صحابہ کے جامہ میں (ازالۃ الخفاء) پیش کیا، اخلاقی کا دور اور پھر ستم بالائے ستم کہ شاہ صاحب نے ۱۳۶۲ء میں کتاب زندگی کا آخری ورق پاٹ کر مالک حقیقی کے وصال کا مرثوہ جانفزا پایا۔ آپ کے فرزند رشید شاہ عبدالعزیز صاحب نے بچہ سال والد کے مسند کو سنبھالا اور جس نصب العین کی خاطر عظیم باپ نے ایک پروگرام کی طرح ڈالی تھی اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے آپ کو ہر طرح سے جان نشینی کے اہل ثابت کر دیا۔ — ذالک فضلہ اللہ یوقیہ من یشاء۔

اس لائق بانشین نے اپنے عظیم باپ کے نظریات انقلاب کو عام کرنے کیلئے تربیت گاہ کو وسعت دی۔ اس تربیت گاہ کے مقاصد میں حکیم الامت کے نظریات کو ذہن نشین کرانا خدا پرستی، خوف خدا اور پاکبازی کا سچا جذبہ پیدا کرنا، ملکیت و شاہ پرستی کے براہیم دماغوں سے نکالنا، جذبہ فدایت، خدمت خلق، سادگی، فوجی اسپرٹ پیدا کرنا، عیاشی کے تمام اڈے ختم کرنا شامل تھا (شاذار ماضی ص ۱۶۶) اور تربیت کے لئے تین طریقے مقرر ہوئے۔ پہلا درس و تدریس کا، جسکی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ پورے ہند میں ایک عالم ایسا نہ رہا جو کسی نہ کسی واسطہ سے شاہ عبدالعزیز سے متعلق نہ ہو۔ (سیاسی تحریک مثلاً) دوسرا طریقہ روحانی تربیت کا تھا، اور اس میں بھی اس خاندان اور معتقدین کے ایک ایک فرد کو کمال حاصل تھا۔ (تفصیل شاذار ماضی جلد دوم میں دیکھیں) تیسرا طریقہ پبلک جلسوں کا تھا۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز ہفتہ میں دو بار عام جلسوں میں وعظ فرماتے۔

اس تربیت گاہ سے جن گرامی قدر حضرات نے فیض پایا ان میں شاہ عبدالقادر، شاہ

رفیع الدین، شاہ عبدالغنی (برادران شاہ صاحب) شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب (شاہ صاحب کے فرارے) مولانا عبدالحی (داماد) مولانا شاہ اسماعیل (بھتیجے) سید احمد بریلوی مولانا رشید الدین، مفتی صدر الدین، شاہ غلام علی صاحب مولانا کریم اللہ، مولانا محسن اللہ، میر محبوب علی، مولانا عبدالنالی دہلوی، مولانا حسین احمد طبع آبادی، مولانا حسن علی لکھنوی، مفتی الہی بخش کاندھلوی جیسے جگہ روزگار افراد شامل ہیں، ان کو کششوں کا نتیجہ ہی ہوا جو عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ یعنی شاہ عبدالعزیز اور آپ کے ساتھیوں کو ستایا گیا۔ ہر طرح غنڈہ گردی ہوتی، جائیداد ضبط ہوتی، شہر بدر ہونا پڑا اور قتل و کشتی کی سازشیں ہوئیں۔ (یاد رہے کہ اس مکرہ پروگرام میں شیعہ کارپردازان حکومت جو حامی انگریز تھے اور جن کا سرغنہ نجف خان تھا پیش پیش تھے۔)

حالات دگرگوں ہونے لگے اور حریت پسند فرزانہ وادہ عہدیوں کا شکار ہو کر قتل ہو گئے اور عجیب افزا تقری پھیلی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب سنہ ایک سوال کے جواب میں درج ذیل فتویٰ لکھا۔ (اصل جواب فارسی میں ہے اس کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔) از فتاویٰ عزیزی ص ۱۱ فارسی مطبوعہ مجتبیائی دہلی۔

”یہاں روسا نصاریٰ (عیسائی افسران) کا حکم بلا غنڈہ اور بے دھڑک جاری ہے اور ان کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، انتظامات، رعیت، خراج، باج، عشر و مال گزاری، اموال تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمات کے تصفیہ، جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول، فوج، پولیس، دیوانی اور فوجداری معاملات، کسٹم، ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں، ہندوستانیوں کا ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں، بیشک نماز جمعہ عیدین، اذان اور زیچہ گاؤں جیسے اسلام کے چند احکام ہیں وہ ان میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور سریت کی بنیاد ہے۔ (یعنی خیر کی آزادی اور آزادی فکر) وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے۔ چنانچہ بے تکلف سجدوں کو سمار کر دیتے ہیں، عرام کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے۔ انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندو ان کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف و جوانب میں نہیں آسکتا عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بنیاد پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دہلی سے کلکتہ تک اپنی کی عمل داری ہے، بیشک کچھ دافین بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنؤ، رام پور میں

چونکہ وہاں سکھ فرماؤں نے اطاعت قبول کرنی ہے۔ براہ راست نصاریٰ کے احکام جاری نہیں ہوتے (مگر اس سے پورے ملک کے دارالحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔)
پھر فتاویٰ کے ص ۱۵۵ میں بعض اعتراضات مخالفین کا جواب دے کر ہند کا دارالحرب ہونا ثابت کیا ہے۔

یہی وہ معرکہ الاراء فتویٰ ہے جس سے ملک میں تہنکہ بچ گیا اور جو دہ اصل شاہ ولی اللہ کے ملک کل نظام کے نصب العین کی تکمیل کی پہلی کڑی تھی، اسی نصب العین کی تکمیل کیلئے مختلف گروپ بناوئے گئے تھے جن میں سے ایک گروپ سید صاحب کی زیر قیادت بنایا جس میں مولانا عبدالحی اور شاہ محمد اسماعیل جیسے حضرات تھے، اول ان کی ذمہ داریاں پہلے عرض کی جا چکی ہیں، دوسرا گروپ خود آپ کی زیر قیادت تھا جس کا کام مرکز میں رہ کر اس کی مضبوطی کا انتظام کرنا (استحکام) تعلیم و تربیت کا طریق جاری رکھنا اور جنگی گروپ کی طرح مدد کرنا اور ملک پہنچانا تھا، اس گروپ میں مولانا شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب، مفتی رشید الدین، مفتی صدر الدین دہلوی، مولانا حسن علی لکھنوی، مولانا حسین احمد ملیح آبادی اور مولانا شاہ عبد الغنی دہلوی جیسی شخصیتیں شامل تھیں، چنانچہ جنگی بورڈ نے سات سال میں ملک کے تین دورے کر ڈالے۔ بقول مولانا عبید اللہ سندھی: امام عبدالعزیز نے سید احمد شہید کے بورڈ کو پہلی دفعہ ۱۲۳۱ھ میں بیعت طریقت کیلئے دوسری دفعہ بیعت بہاد کیلئے دوسرے پر بھیجا، اس کے بعد سارے قافلہ سمیت، حج پر جانے کا حکم دیا تاکہ اہل تنظیمی قوت کا تجربہ ہو جائے۔ جب قافلہ ۱۲۳۹ھ میں واپس آیا تو امام عبدالعزیزؒ فوت ہو چکے تھے۔ (سیاسی تحریک ص ۱۵۵) سید صاحب کا پہلا دورہ ہی اپنے اندر عجیب رنگ رکھتا ہے، سماجی اصلاحات، ہندو مسلم بھائی چارے، درزش، جفاکشی، ضبط و تحمل اور بہاد و حریت کی ترغیب اس سفر کے اہم ترین مشاغل تھے، اس کے بعد جب سفر حج ہوا وہ بھی حقیقت پر وگرام جہاد کی ایک کڑی تھا۔ جو بقول مولانا سندھی تنظیمی قوت کا امتحان لینے کیلئے ہوا تھا۔ درنہ حقیقت میں نگاہیں دیکھ سکتی ہیں کہ مغلوں کے زوال لوگوں پر حج کیسے فرض ہو گیا تھا۔؟ ان دوروں میں زیادہ تر مذاہب ملتے ہیں۔ تو مسلمان عرب کے۔ اور ترغیب ہے تو جہاد و حریت کی۔ سوال یہ ہے کہ یہ پروگرام سکھوں کیلئے تھا۔؟ نہیں ہرگز نہیں، ان کا مقصد کچھ اور تھا۔ اور وہ مقصد مشہور انگیزہ مودت ہنر نو مستین کرتا ہو۔ جب سید احمد صاحب حج سے واپس آئے (ذہن میں رکھیں کہ بقول مولانا سندھی سفر حج تنظیمی قوت کا امتحان تھا) تو آپ کے ارادے کیا تھے۔ ہنر جواب دیتا ہے: پہلے جو پیر

خراب و خیال میں تھی، اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا لگا دیا اور صلیب کو انگریزوں کی لاشوں کے نیچے دفن کئے ہوئے دیکھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۵۹) اور ان کی نگاہ ہر وقت سرحد کی دور دراز جنگ جو آبادی پر لگی رہتی تھی (ص ۹) اور بقول منشی محمد جعفر پٹاویسیؒ مراقبہ اور مشاہدہ کی جگہ ہجرت و جہاد کا بیان اور تلوار بند و فک کی صفائی کی تعلیم ہوتی تھی اور تحفے اکثر ہتھیار آتے۔ (سوانح احمدی ص ۵۹)

پھر سید صاحب کے اپنے جملے ملاحظہ فرمائیں، بیگانگان بعید الوطن اور تاجران متاع فروش کو نکال کر مناصب ریاست و سیاست ان اہل وطن کے سپرد کئے جائیں جو اس کے مستحق ہیں۔ (خط سید صاحب بنام راجہ درائو وزیر اور غلام حیدر خان منصب دار ریاست گوالیار)

ڈاکٹر سنہریؒ کی مندرجہ بالا شہادت، منشی محمد جعفر کا قول اور سید صاحب کا مکتوب گرامی (نیز مولانا شہید کی منصب امامت والی عبارت جو پہلے گزری) ملاحظہ کرنے کے بعد اگر کوئی اس حقیقت کو نہ سمجھے کہ اصل مقابل کون تھے تو اس کا علاج نہیں۔ پھر انگریز کے مد مقابل ہونے پر ایک اور شہادت ملاحظہ فرمائیں۔

سکھوں کی حکومت پنجاب میں تھی، بنگال میں قریب ۸۰ سال سے انگریز حکمران تھا، جوہنی ۱۸۳۰ء میں سید صاحب نے پشاور پر قبضہ کر لیا تو آپ کے خادم خاص ٹیٹو میاں نے سفید فام درندوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۶) ایسا کیوں ہوا؟ اس کے ساتھ ہی ایک انگریز کمیشن کی تاریخ دیکھیں۔ سید احمد کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ تھے۔ لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں محتاط ضرور تھے لیکن ایک وسیع اند آباد ملک پر ایک دور دراز ملک کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کیلئے کافی سبب تھا۔ (تاریخ سکھ از کمیشن کننگھم بحوالہ سیرت سید احمد ص ۲۲۵) ایک مزید شہادت ملاحظہ فرمائیں، سید صاحب کے زمانہ جہاد میں ایک انگریز سپاہی میسن نامی اس علاقہ میں آیا اس نے سید صاحب کا نصب العین یہ بتلایا کہ سکھوں کا استیصال اور پنجاب پر قبضہ پھر ہندوستان اور چین پر تسلط۔ (سیرت سید احمد شہید ص ۲۵۹) انگریز مورخین کی یہ عبارتیں ہمارے مدعا کے لئے کافی ہیں کہ اصلی مد مقابل کون تھا؟ اس کے علاوہ واقعاتی دنیا میں کھلی ہوئی شہادت جسکی تردید ناممکن ہے کہ ۱۸۳۱ء میں واقع بالاکوٹ پیش آیا اس کے بعد باقی ماندہ مجاہدین سنیانہ میں مقیم ہو گئے، تا آنکہ ۱۸۴۶ء میں سکھ حکومت ختم

ہوگئی اور ۱۸۴۹ء میں تین سال بعد پنجاب کا الحاق مکمل ہو گیا، اب سید صاحب کے معتقدین کو چاہئے تھا کہ وہ سجدہ شکر بجالاتے کہ سکھوں کا پرچم سرنگوں ہوا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سرحد پار مخاؤں بنا کر انگریزوں کے ناک میں دم کئے رکھا، اور یہ سلسلہ انگریزی اقتدار کی بساط لپیٹ جانے تک جاری رہا۔ سوال یہ ہے کہ مقابل سکھ تھے تو ایسا کیوں ہوا۔؟ اور آخر میں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کا ایک معنی خیز جملہ پڑھیں پھر سارے نقاب الٹ جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی، مگر اس نے ایک تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا، واقعہ بالاکوٹ کے دو سال بعد ۱۸۴۳ء میں ایک نحت تجارت کا ببادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولٰٓئِی الْاَبْصَارِ۔ (سیاسی تحریک ص ۱۴۳)

چنانچہ اس کے بعد ہی بہادر شاہ کا موقف ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کا سکھ رائج ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنی ٹھوس شہادتوں کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ بد مقابل سکھ تھے۔؟ یہ کہنا ستم ظریفی کی انتہا ہوگی اور تعصب کی کھلی مثال۔ اگر شاہ ولی اللہ کے نصب العین (فک کل نظام) پھر شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ (مند دار الحرب) اور سید صاحب کا اس مشن کی طرف سے ایک کمانڈر کی حیثیت میں مہم پر جانا، ان کرہیوں کو طایا جاتے اور اس کے بعد انگریزوں کی اپنی شہادتیں دیکھی جائیں تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مقصود انگریز کا استیصال تھا، اور ملک کو پھر سے فارالاسلام بنانا! لیکن یہ الگ بات ہے کہ تقدیر نے اس کا موقعہ ہی نہ کیا اور اس کے بھی کچھ اسباب تھے جن میں سب سے بڑا سبب نام نہاد مسلم فرمانرواؤں اور سرداروں کی بد عہدی و غداری تھی جسکی سزا ان لوگوں کو منعم حقیقی کے دربار سے یقیناً مل کر رہے گی۔ اِنَّ لِبَطْشِ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ۔

باقی آئندہ۔۔۔

مشہور برطانوی فلسفی لارڈ برٹنڈرسل نے تسخیر چاند کی مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے :
 "یہ مہم انسانی قوت کی عظمت کے اظہار سے زیادہ دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش ہے۔۔۔۔۔ ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اہم بات یہ نہیں ہے کہ چاند کی تسخیر کی جائے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم دوسرے کے مقابلے میں پہلے چاند پر پہنچ جائیں۔"
 لارڈ برٹنڈرسل نے ایک اور معنی خیز مشورہ بھی دونوں بڑی قوموں (امریکہ اور روس) کو دیا ہے کہ :
 "تم زمین پر ہی ایک دوسرے کو نہایت سستے داموں ہلاک کر سکتے ہو، کیوں خلائی سفر جیسے بہت